شہر نا پرساں اسلام آباد میں

علم، مذہب، جماعتی سیاست سے فوج تک

پروفیسر احمد رفیق اختر کے ساتھ سوال و جواب کی خیالات انگیز نشست

انٹرویو: سجاول خان رانجھا

س۔ حدیث مبارک کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ ایک ہزار عابد پر ایک عالم بھاری ہے۔ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کیا ان دو باتوں میں تضاد نہیں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: بالکل نہیں، وہ ایک فریضہ اوّلین ہے اور آپ ان عبادات والوں سے آگے بڑھتے ہوئے غور وفکر والے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان درجات کی نشاندہی جگہ جگہ کی گئی ہے اور فائنل نشاندہی اللہ نے فرمائی "و نرفع الدرجات من نسا" کہ جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں "وفوق کل ذی علم علیم" اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔

پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ الذین یذکرون الله قیاما و قعودا و علی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السموت اولارض سو غور وفکر کرنے والوں کو اللہ نے اس لئے ترجیح دی ہے کہ تخلیق انسان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دولت عقل وشعور انسان کو اللہ نے بخشی، وہ اس کو استعمال کرے اور حوادث وشہادت دنیا سے نکلتے ہوئے بڑے بنس کر یہ اقرار کرے کہ میں بندہ ہوں۔ کوئی اللہ ہے مجھے کوئی بندگی کے حقوق پورے کرنے اور اپنے اللہ کی تسلیم کا حق ادا کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ نا تعلیم یافتہ عبادت گزار بھی ہوتے ہیں اور بہت زیادہ تعلیم والے عبادت گزار بھی ہوتے ہیں ہمارے معاشرے میں خود پسندی اس حد تک پہنچ گئی ہے خود پسندیت کا یہ عالم ہے کہ جو دو چار لفظ پڑھ جائے وہ عبادت کو تو ضیع اوقات سمجھنے لگتا ہے۔ کیا ضرورت ہے اس کی؟ ہم لوگ اچھے تو ہیں مخلوق کے ساتھ بڑا اچھا حسنِ سلوک بڑی شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہیں ہم تو بالکل کسی کا برا نہیں چاہتے وغیرہ۔ بس ذرا نماز میں کوتاہی ہو جاتی ہے مگر لوگ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حقوق بندگانِ خدا بھی اللہ سے مرتب ہوتے ہیں۔ بندوں کے حقوق کیا ہیں یہ کسی اخلاق والے یا کسی تجربہ دنیا نے نہیں بتایا کیوں کہ شروع میں تو انسان انسان ہی کا قاتل تھا۔ تا آنکہ اللہ نے پہلا قانون اس کو عطا فرمایا کہ ایک انسان کی زندگی بچانا پوری انسانیت کی زندگی بچانا ہے۔ اور ایک انسان کو قتل کرنا گویا پوری انسانیت کو قتل کرنا ہے۔ یہیں سے حقوقِ انسان اور حقوقِ عباد شروع ہوئے اور اس کی تلقین اور ہدایت بھی حقوق اللہ کے تحت آتی ہے۔ لوگ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں کہ جی حقوق اللہ کے سلسلے میں تو کوتاہی ہو جاتی ہے لیکن ہم حقوق العباد میں بہت اچھے ہیں۔ یہ دلیل ہے حالانکہ حقوق العباد حقوق اللہ کے بغیر بذاتِ خود کوئی وجود نہیں رکھتے۔ حقوق اللہ میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اس عقل کل کی دی ہوئی شناخت اور علم سے آپ اپنے مسائل کا ادراک کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ اللہ نے ہمارے بندگی میں کیا کیا فرائض رکھے ہیں

سوال۔ عبادت اور علم، یہ کشمکش ہماری سوسائٹی میں بہت نمایاں ہے اور بندگانِ خدا کا رجحان زیادہ تر عبادت کی طرف ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرف علم چھایا ہوا ہے اب ہم اس میں کیسے توازن کریں اور اپنے موجودہ رجحان میں کوئی کیسے شفٹ پیدا کریں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: اہلِ چشت میں رنگ پایا جاتا ہے اور وہ جب جذب وسرور کی مستیوں میں آتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ خواجہ نظام کا رنگ ہے۔ معین الدین چشتی اجمیری کا رنگ ہے تو رنگ سے مراد ایک شناخت ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس رنگ میں ڈھالنا چاہتے ہیں جہاں ہمارا کوئی استاد یا کوئی محبوب نظر وخیال ہوتا ہے، تو ہم چاہتے یہ ہیں کہ اپنی زندگی کے ہر پیٹرن میں اس صورت اور انداز کو اختیار کریں جو ہمارے کسی استاد ومرشد یا کسی رہنما کا ہوتا ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے ہم رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں رنگے جانے کی کوشش کرتے ہیں وہ محاسن اور وہ اخلاق جو اللہ کے رسول ﷺ کا ہے اس کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہماری کچھ شناخت ہو سکے۔

مگر جو اصلی اور خالص رنگ ہے عبادت کا اصلی رنگ ہے، اللہ نے اس کی قرآنِ حکیم میں پہلے پارے میں ہی نشاندہی کر دی صبغت الله للہ کا رنگ ومن احسن من الله صبغةً و نحن لہ عبدون اور اللہ کے رنگ میں ہی رنگا جانا سب سے بہتر ہے ہم ہی عبادت کرنے والے ہیں۔

یعنی اللہ کے رنگ میں رنگا جانا ہی اصل عبادت ہے۔ عبادت کا مفہوم اٹھنا بیٹھنا پانچ وقت، یہ احکامات ایگزیکٹو ہیں۔ کوئی بندہ بھی پانچ وقت کی نماز ایک انداز اور خیال سے نہیں پڑھتا صبح کے تساہل سے لے کر دوپہر کی سستیوں کو شامل کرتے ہوئے عصر کی مجلسوں میں جاتے ہیں مغرب کی تھکاوٹوں کا شکار ہوتے ہیں اور عشا کی تہجدیں بڑی مشکل لگتی ہیں۔ ہر آدمی ایک علیحدہ موڈ کے ساتھ نماز کو جاتا ہے نسبتاً اتنا زیادہ فرق ایک دن کی نمازوں میں پایا جاتا ہے ان میں کہیں خودغرضی کہیں اجلت کہیں نفس کے اشکال درپیش ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ نماز ایگزیکٹو آرڈر ہے اور ہمیں صرف یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ کسی محبوب ترین افسر کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا ملازم ہمیشہ خوش نہیں رہتا۔ بعض اوقات وہ اپنے افسر کو کوس بھی رہا ہوتا ہے کہ اس نے تعمیلِ احکامات کے لیے کس مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔

تو نارملی ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم چاہیں نہ چاہیں اللہ کے احکامات کی پابندی، نماز یا روزے کی، وہ ہم بطور ایگزیکٹو آرڈر کرتے ہیں۔ اس میں لذتیں زیادہ نہ ڈھونڈی جائیں اس میں تعمیل حکم ہی اصل عبادت ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ نے بڑی مہارت کے ساتھ ایک لفظ استعمال کیا ہے کہ نماز قائم کرو اس میں کسی دوسری چیز کا ذکر بڑا کم ہے۔ فرمایا کہ نماز قائم کرو، نماز قائم کرو۔ اس کا قیام بذاتِ خود بہت بڑی خوبی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دن اور رات کے پانچ وقتوں میں آپ رجعت فرماتے ہیں۔ واپس اللہ کو جاتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی اللہ موجود ہے۔ ہم نے اس کی عبادت کرنی ہے چاہے آپ چاہو چاہے نہ چاہو، چاہے دل مانے چاہے نہ مانے۔

اس سے وہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں آپ کے آگے بڑھنے کا خیال اور جذبہ اور تمنا نہیں ہوتی۔ آگے اس سے خالصتاً اخلاص، محبت اور شعور کے دروازے کھلتے ہیں۔ پھر نیات کے عمل شروع ہوتے ہیں اعمال سے آگے نیات کی ایک وسیع ترین کائنات ہے جو ہر وقت جدلیاتی پراسس میں رہتی ہے۔ اس جدلیاتِ تخیل میں ہر لحہ یہ خیال آتا ہے کہ یہ بات یہ احساس اللہ کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ یہ جذبات اللہ کے مطابق تھے یا نہیں تھے۔ تو نیات کے پراسس بڑے پیچیدہ، پرتکلف اور بڑی ذہانت والے ہیں۔ بہت سارے لوگ ان پگڈنڈیوں میں الجھ جاتے ہیں اگر اللہ ہمارے اخلاص مرتب نہ رکھے اور ہمارے دلوں میں جائز اور صاف ستھری خواہش اپنے لیے نہ رکھے تو ہم نیات کے اس پیچیدہ پراسس سے بغیر عقل کے گزر نہیں سکتے۔

سوال: تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اضافی نوافل اور رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں اشراق اور اوابین کے ان کے سلسلے چلتے ہیں۔ کیا یہ تزکیۂ نفس یا للذات عبادت کے لئے کس مقصد کے لئے ہیں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: اصولاً ان تمام عبادات سے ایک مزید پختہ تر ایمان پیدا ہونا چاہیے مگر ہم مثال کے طور پر دیکھتے ہیں کہ تہجد بھی کسی نے پڑھنی ہے تو باجماعت اس میں ذاتی تعلق نکل جاتا ہے اس طرح کوئی صاحب ذکر مجالس بنا کر ذکر کر رہا ہے۔ ٹھیک ہے مجالس کا ہونا اچھا ہے مگر یہ باقی فورس آف میتھڈ اینڈ موڈرات یا دن میں بہت سارے مذہبی سلسلوں نے طریقے بنائے ہوئے ہیں جیسے میں گھر میں ہوتا ہوں تو اڑھائی بجے ہماری مسجد میں اللہ ھو کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ میرے دل نے کبھی اسے اچھا محسوس نہیں کیا۔ میں ان کی اپروچ دیکھوں، تو کہتے ہیں کہ ہم خلق کو بتاتے ہیں آدھی رات کا ذکر کتنا اچھا ہے مگر تھکے ہارے مزدور کی پیشانی پر شکن آسکتی ہے کہ اللہ میاں یہ کیا مصیبت انہوں نے ڈال رکھی ہے نہ دن کو سونے دیتے ہیں نہ آدھی رات کو۔ تو میرے خیال میں اس مزدور کے احساس میں زیادہ سچائی ہوگی اس قسم کے طریق کار اور عبادت کی مصنوعی صورت کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ میرا خیال ہے کہ مزید عبادت ہر اس بندے کا مزید عمل ہے جو اس کے ذہن و شعور میں ہونا چاہیے۔

سوال: عبادت اور علم میں میں کیا کروں؟ میرے پاس 24 گھنٹے ہیں۔ میں نے گھر بھی وقت دینا ہے میں نے نوکری بھی کرنی ہے اس کے بعد یہ ہے کہ پانچ وقت کی فرض نماز بھی پڑھ لوں تو بڑی بات ہے اب میں اگر علم کی طرف جاتا ہوں تو پھر میں یہ اضافی نوافل وغیرہ نہیں کر سکتا اب میں کس کو ترجیح دوں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: بات یہ ہے کہ آپ علم کی ترجیحات کے تحت دنیا کو جا رہے ہوتے ہیں آپ بے علم ہو کر دنیا کو نہیں جا رہے ہوتے اگر آپ پروفیشنل ہیں اکانومسٹ، کمپیوٹر کے سپیشلسٹ، ڈاکٹر ہیں، تو وہ ساری کی ساری مہارت علمی حیثیت کی پیداوار ہے۔ آپ غلطی یہ کر رہے ہیں کہ علم کو اس کے بنیادی مقصد سے ناآگاہ رکھا ہوا ہے۔ کم تر مقاصد کو زیادہ توجہات، جبکہ اعلیٰ ترین مقصد کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ پچاس پچپن سال سے آپ نے تمام عقل عہدوں، تعلقات، وجاہتوں اور طاقتوں کے لیے استعمال کی "وما الحیوۃ الدنیا الا غرور" سراب اور تخیل کے لیے استعمال کی۔ پھر آپ سے کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ اپنے تعقلی تجسس کو استعمال کر چکے اس کی مزید ضرورت نہیں ہے۔ بوڑھے ہوگئے ہیں جاب میں غلطیاں شروع کر دی ہیں، فائل ورک ٹھیک نہیں رہا اب گھر جاؤ آرام کرو اور پنشن لو اب اس تھکی ہاری عمر میں آپ اللہ کو چلے آئے لوٹا اور مصلہ اٹھایا اور اللہ اللہ کرنے چلے آئے۔ اب خود سوچیں کہ غایت اولیٰ کو بدترین وقت دیا جبکہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو آپ نے بہترین وقت دیا سو آپ نے اللہ کی توہین کی۔ اصولاً اللہ کی بے توقیری کی جس کو بہترین وقت دینا تھا اس کو بدترین دیا اور جس کو بدترین دینا تھا اس کو بہترین دیا۔

حدیث رسول ﷺ ہے کہ ایک صحابیؓ نے مدینہ منورہ میں جب لوگ صدقات بانٹتے تھے تو ناقص کھجوریں مسجد نبوی ﷺ پر لٹکا دیں اللہ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ جلالِ خداوندی حرکت میں آیا اور کہا یہ نتیجہ ہے تمہارے ایمان کا دنیا کے لیے بہترین چیزیں اور میرے لئے بدترین اگر اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ مجھے اپنی بہترین چیز دو تو کم از کم اوسط درجے کی درمیانی اچھی ہی میرے لوگوں کو دے دو۔ خدا کو اس بات پر سخت ناراضگی ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی اہلیت کا بہترین وقت کم تر ترجیحات میں صرف کیا ہو اور بدترین وقت اعلیٰ ترین ترجیحات کو دیا ہو سو کہاں سے تقویٰ اور علم پیدا ہو سکتا ہے؟ آپ خود دیکھیں کہ اعلیٰ ترین موضوع کے لئے انسٹرومنٹ چاہیے ذہانت، علم اور بیداری چاہیے۔ اب آپ کا دماغ الرٹ ہی نہیں ہے، دانت گئے، کان گئے، نظر گئی، موتیا بند آنکھوں میں اتر آئے، تو آپ نے اللہ کو کیا دیکھنا ہے؟ جب دانت ایک نہ رہے اور لذت خوراک نہ رہی تو آپ نے اللہ کا شکر کہاں سے ادا کرنا ہے؟

سوال: اس وقت امت مسلمہ بحیثیت مجموعی ایک ایسی کسی فکس کے اندر پھنسی ہوئی ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں پا رہی، اس میں عبادات کی کمی ہے؟ علم کی کمی ہے؟ کس چیز کی کمی ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: شناخت کی کمی ہے۔ علم کا نتیجہ شناخت ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ خدا سے کیا مراد ہے؟ بہت بڑے دعویدار علماء اور دانشور ہیں مگر انہیں یہ نہیں پتہ کہ خدا ان سے کیا چاہتا ہے۔ یہ تو یہ جانتے ہیں کہ یہ خدا سے کیا چاہتے ہیں۔ خدا سے آرگنائزیشن اور بڑی بڑی جماعتیں چاہتے ہیں۔ وقار اور عزتوں کے آرزومند ہیں، علماء اسلام جب نکلتے ہیں، تو لوگ ان کے دو چار مصلے اور لوٹے اٹھا کر ساتھ چلتے ہیں یہ ہے وہ جس کے یہ خواہشمند ہیں۔ ان کو یہ نہیں پتہ کہ خدا کیا چاہتا ہے، اگر ان کو پتہ ہو تو یہ آرگنائزیشن بنائیں نہ اپنی تنظیمات کے ثبوت اکٹھے کریں، یہ صرف علم کی تلاش کریں ان کے متبعین میں علم، محبت اور رسوخ حرکت پائے اور خدا کا اعتقاد اور اعتماد ہو۔ اللہ کو دنیا کے حالات بدلنے کے لئے آرگنائزیشن نہیں چاہیے۔ ایک آدھ بندہ کافی ہے، جس سے وہ خوش ہو جائے جس پہ وہ ناز کرے پھر وہ ساری کائنات

اس کے لئے بدل سکتا ہے۔ ایک موسیٰ کیلئے اس نے تین سو برس کی فراعنہ مصر کی حکومت کو تاخت و تاراج کر دیا۔ ایک محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے جمی ہوئی سوسائیٹیاں برباد کر دیں۔ یہ اللہ کا کام ہے اللہ کو تنظیمات نہیں ہزاروں لوگ نہیں چاہیں ایک آدمی ہی اسے ملے جس کی محبت میں وہ دنیا کی تبدیلیاں لے آئے بدقسمتی سے یہ قحط النساء بھی ہے اور قحط الرجال بھی۔

سوال: پروفیسر صاحب ایک بات جس میں مجھے آپ سے تکرار بھی ہو سکتی ہے کہ آپ جس بات پر پہنچے ہیں اب یہ لوگ جو رات دن قال اللہ و قال الرسول بھی کرتے ہیں اسلام آباد کے میں نے گھروں میں دیکھا ہے درسِ قرآن وغیرہ ہوتے ہیں وہ اس بات کو ترجیحات کی جس بات کی آپ بات کرتے ہیں خدا کی شناخت کی وہ اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ان میں کیا نقص واقع ہوا ہے کہ تمام تر ان کے خلوص اور تقویٰ کے باوجود وہ اس نتیجے پر نہیں پہنچے جس پر آپ پہنچے ہیں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: اسلام آباد تو ویسے ہی شہرِ ناپرساں ہے اب لگتا ہے افراسیاب جادوگر نے عبادات شروع کرائی ہوئی ہیں طلسم ہوشربا ہے ہر آدمی گریڈ کے چکر میں ہے نئی عزتوں کے پیچھے پڑ رہے ہیں جاہ و جلال اور تمکنت کی پرستش ہو رہی ہے۔ حکومتی دباؤ ہے۔ دارالحکومتوں میں تو ایسی فضا ہمیشہ ہی ہوتی ہے کہ بڑا نفیس مغلظ قسم کا نفاق پیدا ہوتا ہے، جس سے نکلنا ایک آدمی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ یہ جو آپ عبادات اور یہ کچھ دیکھ رہے ہیں دو صورتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

مذہب بعض اوقات آرٹ اور سائنسز کی طرح نمائش بن جاتا ہے بہت زیادہ آزاد خیال گھرانوں میں یہ بڑی تفاخر کی بات ہے کہ دیکھو آپ بچے کو قرآن بھی پڑھا رہے ہیں۔ مگر جہاں بچے کے لئے انہوں نے ستر ہزار روپے کی تعلیم مخصوص کر رکھی ہے وہاں دو ہزار روپے پر ایک مولوی قرآن پڑھانے آتا ہے۔ آپ اس رقم کو دیکھیں جو ان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے وقف ہو رہی ہے اور وہ رقم جو ایک مولوی کے لئے رکھی ہوئی ہے اگر مولوی کا وقفہ ہو جائے تو ماں باپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی لیکن وہ بیکن ہاؤس نہیں جاتے تو بڑی آفت آجاتی ہے۔ یہ ایک فنکارانہ نمائش ہے مذہب کی۔

اگر آپ اتفاق سے کسی رئیس کے گھر چلے جاتے ہیں تو یہ آپ کا اپنا ذہن ہے کہ وہاں دعوت کس قسم کی ہوگی کتنا شاندار دستر خوان ہوگا پتا نہیں کتنی ڈشیں آئیں گی جب وہاں پہنچتے ہیں تو سادہ سی میز پر آلو گوشت اور روٹی پڑی ملتی ہے تو آپ یہ دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں مگر وہ جو رئیس آدمی ہے وہ تو آپ کو اپنا کلچر دکھا رہا ہے کہ پیسے نے مجھ پر اثر نہیں ڈالا میں اتنا ہی سادہ ہوں جتنے کہ آپ لوگ ہیں۔ وہ تو یہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

سو اسلام آباد کا کلچر جھوٹ اور نفاق کی اقسام میں مبالغہ کرتا ہے ان میں سے ایک قسم مبالغے کی مذہبی ہونا ہے۔ اگرچہ سول سرونٹس کو زندگی بھر اس شعور کا اعادہ نہیں ہوا جس میں انہوں نے توکل اور خدارحمی ہونے کا مظاہرہ کرنا تھا یا خدائے خیال سے کسی چیز کا سوچنا تھا مگر جوں ہی ان کی طاقتیں چھنتی ہیں وہ صوفی ہو جاتے ہیں۔ اسلام آباد کی گلی گلی میں بڑے صوفی بیٹھے ہوئے ہیں جو ریٹائرڈ سول سرونٹ ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان ریٹائرڈ سول سرونٹس کو پوری سروسز کے دوران کبھی کسی تصوف کا خیال نہیں آیا اس وقت یہ اپنے اختیارات کو انجوائے کر رہے تھے انتہائی کمینے اور بغض والے افسر مشہور تھے کسی آمدنی کی تلاش میں کبھی جائز اور ناجائز میں کوئی فرق نہیں کیا یہ چکر کیا ہے جواب پیدا ہو گیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اس کمزری کے ازالے کی تلافی اس نئی طاقت سے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اب جناب سول سرونٹ مرشد گرامی ہیں۔ وہ چاہتے یہ ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے پچاس سو آدمی اب بھی آکر ان کی تعریف و توصیف میں ایک اسلام نامہ لکھیں یہ وجہ ہوتی ہے کہ مذہب کو ان علاقوں سے کبھی فلاح نہیں ملی مذہب بیچارہ اسلام آباد میں اجنبی ہے۔ اول و آخر اجنبی ہے۔ وہاں کچھ پرانے طرز کے لوگ ہیں، جن کو آپ لوگ مڈل کلاس کہہ دیتے ہیں جن کی جینیات میں کہیں مذہب پڑا ہوتا ہے۔

اور دوسرا میرے خیال میں ان علاقوں میں مذہب کا آنا ایک گلٹ کی نشاندہی کرتا ہے۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

چونکہ ہڈیاں دکھ رہی ہیں اتھرائٹس شروع ہے درد نے سر کو پکڑا ہوا ہے پیشاب کا مسئلہ ہے گردے فیل ہو رہے ہیں اب ظاہر ہے مذہب کے علاوہ ان کو کوئی چیز آسرا نہیں دے سکتی۔ یا امریکہ کا اچھا ہسپتال ہوگا یا مذہب ہوگا۔ تو بہت سی وجوہ ہیں کہ اوپر لوگ مذہب کی طرف کیوں آتے ہیں میں ان چند لوگوں کی بات نہیں کرتا جن کو خدا نے کسی حال میں اپنے آپ سے غفلت نہیں بخشی ان پر اللہ کا کرم ہے جو امارت اور غربت کے فرق سے بے غرض نکل جاتے ہیں جو طاقت کو اللہ کے لیے استعمال کرتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس دلیل غالب اور خدا کا بہت بڑا احساس موجود ہوتا ہے ایسے لوگوں کی میں بات نہیں کرتا یہ بہت استثنیٰ میں سے ہیں۔

سوال: ابھی آپ جماعتوں کے حوالے سے بات کر رہے تھے یہ آپ کا ایک ایسا موقف ہے جسے کہہ سکتے ہیں اکثریت کے مؤقف سے بہت مختلف ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک اجتماعی معاشرے کے اندر اجتماعی جدوجہد کرنے کے لئے اجتماعیت کی ضرورت ہے وہ جو جماعتیں بناتے ہیں اپنی قوت کو مجتمع کر کے تبدیلی لانے کی بات کرتے ہیں تو اس حوالے سے کیا فرق پڑتا ہے اگر وہ۔۔۔۔۔۔

پروفیسر احمد رفیق اختر: تمام جو جماعتیں بنی ہیں وہ ایک آیت کریمہ کو بہت کوٹ کرتی ہیں کہ فریق منھم میں سے ایک فریق ہمیشہ اللہ اور رسول ﷺ کی باتوں پر قائم رہے گا لوگوں کو بلاتا رہے گا اور اللہ اسی کو سیادت اور عزت اور قیادت بخشے گا۔ اب آپ دیکھیے کہ برصغیر میں کم از کم پندرہ سے بیس تک ایسی جماعتیں بنیں جو اسی خیال سے بنیں کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے یہ اعزاز بخشا کہ امتِ مسلمہ کے احیا کی کوششیں کریں۔ ان کے وجود کو سو یا ستر سال گزر گئے ہیں لیکن ان سو یا ستر سال میں ایک جماعت بھی خدا کے لئے خدا کے ملک یا مسلمانوں کے لیے کوئی قابلِ ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دے سکی۔ ستر سال کے بعد تمام جماعتیں ایم ایم اے میں داخل ہیں۔ ایم ایم اے والے امریکہ کو دجال کا نام دیتے ہیں۔ جنرل پرویز خود دجال کا ساتھی ہے اور آپ پرویز کے ساتھ ہیں آپ اس کا حاصل کیا نکالیں گے؟ اس کا حاصل یہی نکالیں گے کہ ایم ایم اے والے بالواسطہ طور پر دجال کی آلۂ کار ہیں۔ میری رائے میں یہ وہ منافق لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اندر کی تقسیم کی ہوئی ہے کہ حکومت کی مخالفت بھی کرنی ہے اور حکومت کا ساتھ بھی دینا ہے جہاں مفاد ہے وہاں ساتھ دینا ہے اور جہاں پبلک ہے وہاں دھوکہ دینے کے لئے مخالفت کرنی ہے۔ ایم ایم اے یہ سمجھتی ہے کہ وہ زیادہ چالاک لوگ ہیں مگر لوگ ان سے زیادہ چالاک ہیں لوگ ان سے بہت زیادہ چالاک اس لیے ہیں کہ لوگوں کے دل سادہ سے ہوتے ہیں وہ فوراً محسوس کر لیتے ہیں کہ ایمان کس سے پایا جاتا ہے اور کہاں سے اس کا وقوف نکلتا ہے وہ ان کو تمام زندگی بے اعتباری سے دیکھتے آئے ہیں۔ ایک بہت بڑا خلا جو سیاسی جماعتوں پر پابندی کے باعث پیدا ہوا ہے اس سے چند دنوں کے لیے انہوں نے اقتدار ضرور پالیا ہے مگر تھوڑا سا اور وہ بھی جزوی۔ یہ ان کی آزمائش تھی اور یہ اس میں فیل ہو چکے ہیں دوبارہ آپ سے کہوں کہ فریق منھم وہی ہے جسے آپ اپنے اندر سے فریق مانیں۔

فریق منھم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں نے اپنے اندر دس ہزار جماعتیں تخلیق کرنی ہیں عمومیت میں سے کچھ خاص لوگ ہیں جن کو ہم اپنا سمجھیں گے میں تبلیغ والوں کو اپنوں میں سے نہیں سمجھتا یہ

میرے احساسات نہیں ہیں۔ لاکھوں کروڑوں لوگ تبلیغیوں کو اپنے میں سے نہیں سمجھتے۔ یہ ان کا علیحدہ تشخص ہے اور یہ مسلمانوں سے علیحدہ جماعت سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو یہ خود بھی علیحدہ کرتے ہیں۔ ان کی فارمیشن کے اور داخلے کے طریقے ہیں۔ ایک آدمی اٹھ کر جماعت اسلامی کا حصہ نہیں بن سکتا۔ اعلیٰ ترین عقل کے ساتھ وہ بیچارہ کس کس عمل سے گزرے گا۔ جیسے حشیشین کے قلعے سے لوگ نکلتے تھے۔

یہ سارے کے سارے طریقے موساد کے طریقے ہیں۔

جب سے انہوں نے سیکھا ہے یہ ساری کی ساری مذہبی تنظیم میں فری مشینری آئی ہے مسلمان کا ان چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارا پہلا اور آخری تشخص مسلمان ہونا ہے اور یہ ہمارے لئے کافی ہے۔ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کچھ باتیں پسند کرسکتا ہوں۔ مگر میرا ان کو مطلق ماننا ضروری نہیں ہے۔ یہ ٹھیک وہی چیز ہے جو میں اس وقت کر رہا ہوں۔ ٹھیک ہے بات کریں، بات سن لیں اگر اچھی لگتی ہے قبول کرلیں نہیں لگتی تو جائیں۔ ٹھیک دونوں طریقوں میں ارادت اور تصوف میں بھی اور اکیڈیمک میں کسی بھائی پر آج تک میرا کوئی پریشر نہیں ہے اگر کوئی قبول کرسکتا ہے کرلے نہیں کرتے تو ہم دوسروں کی آراء کا احترام کرتے ہیں۔ مجھ سے بہتر میرے کسی بھائی کی رائے ہوسکتی ہے جو کسی شعبے میں ماہر ہے میں نہ عقلِ کل ہوں نہ میں اس قسم کی مطلق ہدایات کا مالک ہوں۔ لیکن میں جب تک تبلیغ کے لئے پورے نظام کو قبول نہ کروں میں تبلیغی نہیں ہوسکتا۔

اگر میں ان کی ایک آدھ بات سے اتفاق بھی کرلوں تو مجھے تو وہ چانس ہی نہیں دیتے نا۔ جب میں نے کسی سے کہا کہ مجھے بھی تھوڑا سا موقع دیں کہ مسلمان مبلغ بھائیوں سے بات کرسکوں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا ہم اپنے اجتماعات میں آپ کو نہیں جگہ دے سکتے، کیوں؟ کیا میں ان سے مختلف ہوں؟ کیا منافقت ہے جی کہ میں مسلمان ہوں وہ مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ ان سے جا کر اچھی بات کروں اور مجھے یہ پتہ ہے کہ ان تمام مہاجرینِ عقل سے کم از کم دیارِ عقل کا کچھ تھوڑا بہت باسی تو ہوں اور کوئی اچھی بات ہی کروں گا مجھے نہیں وہ اجازت دیں گے یہ کیا آرگنائزیشن کا طریقہ ہے؟ وہ آراء کے لئے کسی دلیل یا بحث کے لئے اوپن نہیں ہیں چنانچہ وہ اپنی سوسائٹی کے باہر کسی کو بات کی اجازت نہیں دیتے چنانچہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔ علیحدہ افراد علیحدہ تنظیم اور علیحدہ وجود رکھتے ہیں وہ ایک عام عاجز مسلمان پبلک کا حصہ نہیں ہیں۔

سوال: آپ نے پروفیسر خورشید صاحب کے ساتھ مکالمے میں انہیں مشورہ دیا تھا کہ جماعتِ اسلامی کو توڑ دیں تو ان کا کیا جواب تھا؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: (مسکراتے ہوئے) کیا ہوسکتا ہے؟ عذر گناہ بدتر از گناہ اور کیا ہوسکتا ہے پروفیسر صاحب کو اچھا آدمی پایا وہ ایک معقول آدمی ہیں جب انہوں نے مجھ سے انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز میں کہا کہ آپ کی بہت سی باتیں ہمیں اچھی لگیں اب آپ ہمیں کیا مشورہ دیں گے تو میں نے کہا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ جماعت توڑ دو۔ لوگوں میں رہو، لوگوں کی طرح رہو، پھر ان کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں بتاؤ، وہ آپ کو علیحدہ نہیں سمجھیں گے۔ آپ کو اپنی طرح کے کمزور عاجز انسان خیال کریں گے۔ وہ آپ کے مشورے قبول کریں گے۔ آپ کی تعداد بڑھ جائے گی۔

بہر حال وہ نہ مانیں تو (ہنستے ہوئے) میں کیا کرسکتا ہوں، رانجھا صاحب میرا خیال یہ ہے کہ میں نے اس کا عملی ثبوت دیا ہے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

آہستہ روی اور بتدریج یہ ایک اوپن چوائس ہے۔ باقی لوگ بھی بطور استاد تھے میں بھی تھا میں نے اپنا طریقہ وہی رکھا جو میرے خدا اور رسول ﷺ کا تھا۔ سادہ سا طریقہ، کھلی دعوت، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں نے کس کو قائل کرنا ہے اللہ کا قائل ہوں جس کے دل پر اس نے ہدایت کی روشنی ڈالنی ہے، ڈالنی ہی ہے۔

سوال۔ لوگوں نے آپ کو بھی کہا ہے کہ آپ بھی جماعت بنالیں اب تو بہت سے آپ کے فالورز ہیں لاکھوں میں ہوں گے بلکہ، تو کیا یہ اچھا نہیں ہے آپ بھی انہیں کسی لڑی میں پرو کے ایک انقلاب برپا کریں یہاں پر۔ یہ طریقہ اچھا نہیں ہوگا؟ اب تو پتہ ہی نہیں کسی کو کہ کسی نے کیا کرنا ہے تسبیحات لے جاتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: انقلاب کے بارے میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ مجھے ان سب لوگوں سے بہتر اس شخص کا قول لگا جو ایک کمیونسٹ فلاسفر تھا اس نے کہا تھا کہ

Nobody can bring a revolution unless and until the time of it has come.

ہمارے بہت سارے دانش ور مذہبی مقدر کے فہم میں اتنے کوتاہ اور غافل ہیں کہ ان کو یہ سمجھ ہی نہیں آتی کہ ان کی خواہشوں سے انقلاب نہیں آئے گا۔ اللہ کی مرضی سے آئے گا اور جس کے سر پر ہاتھ رکھے گا وہی لائے گا اس کو نہیں پروا کہ کوئی کس سکول کا پڑھا ہوا ہے۔ اس کو کسی شیخ عرب والعجم کی نہیں پروا۔ اتنے بڑے برِصغیر میں اتنے بڑے علماء بڑے بڑے مفکرین اور مفسرین کے ہوتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ محمد علی جناح پر رکھ دیا تھا جو ہندو مسلم امن کا پیامبر تھا۔ مگر اللہ کہتا ہے کہ ہم خوب اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں کہ ہم اپنا علم اور ایمان کہاں رکھتے ہیں چنانچہ وہ صحیح تھا تاریخ اور لوگوں نے شہادت دی مملکتِ پاکستان آج تک شہادت دے رہا ہے کہ قائدِ اعظم صحیح تھا۔ جبکہ یہ لوگ آج بھی شہادت دے رہے ہیں کہ تقسیم غلط تھی۔ مگر رانجھا صاحب میں دعوتاً کہہ سکتا ہوں کہ ربِ کعبہ کی قسم ایک دن پاکستان بنتا اور دوسرے دن ٹوٹ جاتا تو بھی محمد علی جناح صحیح تھا اگر ایک دن کا شعور ہمیں آزادی کا دیتا تو بھی وہ صحیح تھا یہ پہلے بھی غلط تھے اب بھی غلط ہیں۔

سوال۔ مجھے یہ بتائیے کسی دیکھی بھالی مدت کے اندر آپ کا یہ جو کانسپٹ ہے اس کے غالب آنے کا کوئی امکان ہے یا کہ آپ پرویز مشرف کو اگر وہ آپ سے ملے تو مشورہ دیں گے کہ وہ ان پر پابندی لگا دے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: لا حول ولا قوۃ الا باللہ آج تک تو میرے دل میں اس سے ملنے کی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوئی میں اگر یہ کہوں کہ مذہبی انا تو بہت بلند بات ہے خدا اور رسول ﷺ کی مسند پر بیٹھنا بہت بڑی بات ہے، میں بحیثیت ایک عام انسان کے بھی اس سے نہیں ملنا چاہتا کیونکہ ایسے لوگوں سے ملنے کا کیا فائدہ جن کا عقلی لیول اتنا کم درجے کا ہے جب ہر قسم کی بیان بازیاں اخباروں میں آرہی ہیں اور جس قسم کا شعور مذہب وہ اخباروں میں شو کر رہے ہیں ایسے بندوں سے پناہ تو مانگی جاسکتی ہے ان سے ملا نہیں جاسکتا۔

سوال: لیکن وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اللہ نے میرے اندر کوئی کمال دیکھا ہے تبھی تو مجھے اقتدار دیا؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: بالکل صحیح کہتا ہے۔ اللہ نے اس سے پہلے بھی بہت سارے لوگوں کو اقتدار دیا ہے۔ صرف انجام بتائے ہیں کہ وہ آزمائش تھی یا اقتدار وہ فلاح تھی یا عذاب تھا۔ ابھی انجام تک نہیں پہنچے نا۔ عبوری دور میں بذاتہ فیصلہ دینا حماقت کا نشان ہوتا ہے۔ تو آپ اسی سے سمجھیں گے کہ وہ کتنے قابل لوگ ہیں کہ ابھی انجام تک نہیں پہنچے اور فیصلہ دے رہے ہیں کہ ہمیں اللہ نے چنا ہوا ہے۔ ویسے تاریخ میں تین بڑے عقلمند بادشاہ گزرے ہیں۔ ایک انگلینڈ کی تاریخ میں جیمز دی سیکنڈ تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں محمد تغلق تھا۔ تاریخ میں یہ دونوں دانا ترین بے وقوف سمجھے جاتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے ہم بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

سوال: پروفیسر صاحب ایک بات ہے کہ جب آپ عبوری دور کی بات کر رہے ہیں تو اس وقت وہ ایک عبوری دور سے ہی گزر رہے ہیں۔ ممکن ہے ان سے آخر میں کوئی ایسا کارنامہ سرزد ہو کہ آپ کی

رائے بدل جائے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: ممکن ہے میں بھی اپنی رائے بدل لوں میرے پاس اس وقت جتنے شواہد ہیں وہ اس رائے کی تصدیق کر رہے ہیں جواب میری ہے۔ اگر خداوند کریم نے ان سے ایسا کام لینا ہے، کوئی ایسا معجزاتی کام سرزد ہو گیا، اللہ کی مرضی کے مطابق یا شاید کل کو انہوں نے بدلا ہوا ہو لمبی سی داڑھی اگ آئے اور ٹخنے اونچے کر کے خدا کا نام لے رہے ہوں تو مجھے بھی سوچنا پڑے گا۔ حالانکہ میں اس پر بھی شک کروں گا، کسی ایسی ویسی تبدیلی کو مگر بہر حال اگر کوئی ایسا حادثہ سرزد ہو جائے تو انسان تو وہی ہے جو اپنی رائے مقرر کر کے بیٹھ نہ جائے ہم انہیں اچھے ارادوں کا فائدہ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ بات ہے جس میں مجھے نہیں معلوم کہ ان کے ارادے کیا ہیں۔

مگر ایک بات میں آپ کو بتادوں کہ ایک ہوتا ہے حقیقی ارادوں کو سمجھنا وہ جو ملک میں جس قسم کا کلچر لانا چاہتے ہیں اس کے بارے میں ان کی نیت میں مجھے کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ خواتین کو نیکر پہنانا، میدانوں میں دوڑیں لگوانا، لگتا ہے اس میں ان کی نیت خراب نہیں ہے۔ صحیح ہے چلو باقی تو ایسے سیاسی ہیں، وقتی ہیں، لیکن اس قسم کی حرکات اگر عالی دماغوں سے سرزد ہونا شروع ہو جائیں تو ہم پہلے ہی متزلزل خیالات کی زد میں ہیں۔ میرے سمیت روزانہ ہم اپنی اخلاقیات کو زیر سوال لاتے ہیں۔ اگر اس میں اتنی بڑی شہادتیں بالائی مقام سے آنی شروع ہو جائیں تو پھر رجعت بڑی تنگ ہو جاتی ہے۔ اور رستے بڑے محدود ہو جاتے ہیں۔ سو اس بارے میں مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کیا ضرورت پڑی ہے ایسے بیان دینے کی جس سے ان کی داخلی نیت بھی واضح ہونا شروع ہو جائے؟

سوال: ویسے پروفیسر صاحب یہ جو جنرل صاحب ہیں اور اس سے پہلے جنرل اقتدار میں آتے رہے ہیں ان کا اوپر آجانا، بذات خود فوج کے بحیثیت ایک ادارے کے اس پر حرف نہیں آتا کہ وہ کس قسم کا انسٹی ٹیوشن ہے، جو اس قسم کی پراڈکٹ دے رہا ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: میرا خیال یہ ہے کہ فوج پہلے یہ غلطی نہیں کرتی تھی، اب تو شائد مسلسل یہ احکامات صادر ہو رہے ہیں۔ پہلے فوج یہ دعویٰ لے کر آتی تھی کہ فکر نہ کرو، تم پر ہم مشکل وقت نہیں آنے دیں گے۔ تمہارے لئے جان لڑا دیں گے، مریں گے یہ کریں گے وہ کریں گے۔ اب فوج عجیب کام کر رہی ہے جوں ہی کوئی مسلمان سر اٹھاتا ہے اس کو کہتی ہے خبردار جو سر اٹھایا امریکہ بمباری کر دے گا تمہارے گھر جلا دے گا تمہیں برباد کر دے گا یہ کوئی نیا طریقہ نکالا ہے فوج نے بھائی آپ لوگ تو حفاظت کے لئے ہو ہماری جان مال کو تحفظات فراہم کرنے والے ہو آپ کمزور ہو یا غالب ہمیں اس کا پتا نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت ہمیں کہتی لوگو امریکہ سے، برٹش سے نہ ڈرو مخالفوں سے نہ ڈرو جب تک ہم زندہ ہیں ہم اس ملک کے در و دیوار کی حفاظت کریں گے تم اطمینان سے سونا۔ ہم اگر ختم ہو گئے مر گئے تو پھر تمہاری باری آئے گی۔

چاہیے تو یہ تھا کہ فوج یہ ہمیں پیغام دیتی الٹا پیغام دے رہی ہے کہ خبردار جو ہلے جلے، ایسی بمباری کروائیں گے کہ تمہارا حشر خراب ہو جائیں گا۔ تمہاری چھتیں گر پڑیں گی۔ تمہارے بچے مارے جائیں گے۔ یہ کام کوئی فوج نے نرالا ہی نکالا ہے۔ عملی طور پر یہ بڑا اجنبی رویہ ہے جو کمانڈر آف دی فیتھ کی طرف سے اس کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

سوال: آپ کا خیال ہے کہ کچھ افراد کی سطح پر یہ خرابی ہو سکتی ہے یا بحیثیت مجموعی ایک انسٹیٹیوشن خرابی نیچے تک در کر گئی ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: انسٹیٹیوشن بیچارہ کیا ہو سکتا ہے۔ فوج کیا ہے آپ کی؟ آپ جیسے ہی لوگ ہیں۔ نوکری پیشہ لوگ ہیں ادھر پنجاب میں خالی فوج کی نوکری ہی پکی سمجھی جاتی تھی۔ نوجوانوں کو میں دیکھتا ہوں کہ اب بھی وہ اس لباس کی اتنی قدر و قیمت ڈالتے ہیں اس کے پیچھے جہاد اور خدا کے لئے لڑنے کا تصور ہے۔ ایک خوبصورت وردی میڈلز اور کلغیوں کا تصور ہے، جو سروں پر سجائی جاتی ہیں تو فوج ہمیشہ نوجوانوں کے لئے ایک رومانوی وژن کی حامل رہی ہے اور نوجوان اس میں جانے کی حسرت اور آرزو رکھتے ہیں۔ نہ صرف نچلی سطح پر بلکہ آفیسر کی سطح پر بھی۔

پھر اگر ایک اور لحاظ سے دیکھا جائے تو آرمی کم ترین امکانی تعلیم کی سطح پر بہترین پیشہ پاکستان میں ہے۔ ایف ایس سی کرنے کے بعد ایک لڑکا کلاس ون آفیسر ہو جاتا ہے۔ ایک اچھا پروفیشنل بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے تو میں نہیں کہتا کہ فوج میں تو کوئی ایسا مسئلہ ہے۔ مگر آپ دیکھیں کہ اکیڈمی میں جو پڑھایا جاتا ہے، وہ باہر آ کر آپ اسے unlearn کر رہے ہیں۔ وہاں آپ کو جہاد کے سبق دیئے جاتے ہیں خدا کے دیئے جاتے ہیں آدھے استاد سیکولر ہیں اور آدھے۔۔۔۔۔ تو آدمی کیا کرے۔ جو ابتدا سے ہی نظریاتی لحاظ سے اتنے فرق کا شکار ہو جائے؟ کیونکہ ان کو یہ بھی نہ پتا ہو کہ ہم نے جنگ کس لئے لڑنی ہے؟ کس کے لئے مرنا ہے؟ کس کی حفاظت کرنی ہے؟ آج کی آرمی کے بارے میں میں کہوں گا کہ ان کے ذہنوں میں زیادہ واضح کشمکش ہے کہ ہم کیوں موجود ہیں؟ سوائے اس کے کہ نوکری ہے۔ اس کے علاوہ تو آرمی میں مجھے محرک نظر نہیں آتا۔

سوال: ویسے اس کشمکش کو بڑھانے میں آپ کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ جرنیل وغیرہ آپ کی طرف آتے ہیں اور بہت سی باتیں لے کر جاتے ہیں تو ظاہر ہے اس کا اثر ان پر پڑے گا۔ آپ امریکہ کے علم میں بھی ہوں گے میرے خیال میں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: امریکہ کے علم میں ہونے سے اتنی بڑی کوفت مجھے نہیں ہوتی۔ وہ بھی میرے علم میں ہے (ہنستے ہوئے) میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ میں کسی شخص کو بھی دانستہ کسی کشمکش کا شکار نہ کروں میں پکا خدا پرست ہوں میں کسی اور چیز کی پرستش نہیں کرتا ہوں۔ مجھے یہ پتہ ہے کہ پروردگار عالم جب چاہیں گے اگر اسے کوئی تبدیلی لانی ہے تو وہی لائے گا میں نے نہیں لانی۔ میں اپنے معاملات میں نہ محتاط ہوں نہ فری ہوں۔ اور میں کسی شخص کو بھی انقلابی بننے کی تلقین نہیں کرتا۔ میں ہمیشہ ان کے دل اور دماغ میں ایک قسم کا ارتقا (Evolution) پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

وہ جو بچپن سے میرا اپنا سبق ہے۔ جو میں نے خود لکھا ہے، وہی لوگوں کو بتا رہا ہوں۔ اللہ کو ترجیح دو، خدا کو سمجھنے کی کوشش کرو، وہ آپ کے لئے موجود ہے، وہ آپ کی تلاش میں ہے اور آپ بھی اس کی تلاش میں رہو۔ نوجوان آفیسر بڑے دیانتدار اور وقف شدہ لوگ ہیں۔ وہ اپنی پریشانیاں اور دوسرے مسائل ایسے ہیں جیسے باقی لوگوں کو میں گائیڈ کرتا ہوں۔ اس میں کسی آدمی کی تخصیص نہیں ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح جو مسائل کے ساتھ آتے ہیں اور میں کوشش کرتا ہوں کہ یہ نوکری جو کر رہے ہیں، اسی طریقہ سے صاف ستھرے اور اطمینان سے کریں، مسائل کا شکار نہ ہوں۔

یہ میں آپ کو بتادوں کہ یہ میرے اپنے احساس میں ہے کہ یہ ایک واحد ادارہ ہے جو اس وقت باقاعدہ بنیادوں پر ہے۔ سسٹم کے تحت ہے۔ بطور مسلمان میرا اس کے لئے مکمل احترام ہے کہ کم از کم ہم میں سے کوئی طبقہ تو ایسا ہے جو منظم طبقہ ہے۔ عملی طور پر نہ کہ مذہبی طور پر جن کو اپنے فنون اور حرب کی نوعیت پر اعتماد بھی ہے، قابو ہے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ فوج متحد اور ایک ہے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ بہت اچھے پیشہ ور ہیں۔ اور میری اس کے علاوہ کوئی غرض نہیں کہ جو بھی بندہ جہاں بھی ہو وہ ایک معاشرے کے بہترین افراد میں سے ہو۔ اگر وہ آرمی میں ہے، تو وہ فوج کے بہترین افراد میں سے ہو۔ سول میں ہے، تو وہ سول کے بہترین افراد میں سے ایک ہو۔ سو میری خواہش یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے اپنے موضوع اور طرز زندگی میں ایک زیادہ مستعد کردار ادا کرے۔

■■